بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

۱۹۷۵ء عورتوں کا سال ہے۔ دیکھئے یہ سال عورتوں کو کیا دیتا ہے۔ سال تمام ہونے کے بعد دنیا کی عورتیں "ترقی کی دوڑ" میں مردوں کے برابر پہنچتی ہیں یا حسب سابق پیچھے ہی رہتی ہیں۔ ان کے تمام "حقوق" ان کو مل جاتے ہیں یا وہ علی حالہ محرومی کا شکار رہتی ہیں۔ سوسائٹی میں ان کی "اہمیت" کماحقہ تسلیم کی جاتی ہے یا وہ بدستور بے توجہی اور کس مپرسی کا نشانہ بنی رہتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کے "مسائل" حل ہوتے ہیں یا اور الجھ جاتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس عقیدۂ مشکل کی کشود یوں ممکن نہیں۔ یہ ہمارا خیال ہے جو ہو سکتا ہے کہ غلط ہو۔ لیکن اب تک کی سرگزشت کے آئینے میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سال نہیں صدی بھی منائی جائے یہ مسئلۂ زن رہے گا وہیں کا وہیں۔ وہی ناآسودگی، وہی اضطراب، وہی خلش، وہی زبوں حالی، کل بھی رہے گی جو آج ہے۔

جہاں تک ہمارا علم ہے عورتوں کا سال منا کر ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش عالمی سطح پر تاریخ میں پہلی بار کی جا رہی ہے۔ لیکن نہ تو یہ مسئلہ نیا ہے اور نہ اس مسئلے کا احساس کوئی پہلی بار کیا گیا ہے اور نہ اس مسئلے کے حل کی کوشش پہلی مرتبہ کی جا رہی ہے دنیا کے عقلاء و مدبرین نے پہلے بھی اس مسئلے پر غور کیا ہے اور اس کو حل کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن اب تک کی کوششوں کے جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کوششوں کے نتائج انسانیت کے حق میں اچھے نہیں نکلے۔ بلکہ خود عورتوں کو بھی ان سے کیا ملا۔ ایک دائمی کلفت، ایک مسلسل کرب ع ناکامیاں ہجوم تمنا غم و الم۔ یہ اور بات ہے کہ فریب خوردگی سے ناکامی ہی کو کامیابی سمجھ لیا جائے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آج سب سے زیادہ

مظلوم وہ عورت ہے جو بزعمِ خود سب سے زیادہ "حقوق" سے بہرہ ور ہے۔ بھلا اس سادگی کا بھی کوئی ٹھکانہ ہے کہ اس دَور کی عورت اپنا بہت کچھ لٹا کر بھی یہ سمجھتی ہے کہ اس نے گنوایا نہیں کچھ پایا ہے۔ وہ اپنی منزل سے دُور ہو رہی ہے، پھر بھی سمجھتی ہے کہ آگے بڑھ رہی ہے۔

ہمارا یقین ہے کہ عصرِ حاضر کے دوسرے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی نئی تہذیب کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ نئی تہذیب جس کی اٹھان مادی اقدار اور ان علوم و افکار پر ہوئی ہے جو انسانی ذہن کی پیداوار ہیں۔ مغربی ممالک جو تہذیب جدید کا اوّلین سرچشمہ ہیں ان میں اس مسئلے نے پہلے اور زیادہ سنگین صورت میں سر اٹھایا۔ اس تہذیب کے اثرات جوں جوں دوسرے ممالک میں پھیلتے جا رہے ہیں، وہاں بھی یہ مسئلہ سر اٹھا رہا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ موجودہ تہذیب اور اس کے علمبرداروں کے بس کا روگ نہیں کہ وہ اس مسئلے کا کوئی ایسا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکیں جس کے بعد چول سے چول بیٹھ جائے اور جس کی وجہ سے دوسرے حل طلب مسائل پیدا نہ ہوں۔ اب تک کی کوششوں کا حال کچھ اسی قسم کا رہا ہے کہ ایک گرہ کی عقدہ کشائی نے بہت سی نئی گرہیں ڈال دیں۔ جن لوگوں نے عہدِ جدید کا مغربی معاشرہ دیکھا ہے یا اس کے متعلق پڑھا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ معاشرہ کس طرح گوناگوں سنگین مسائل سے دوچار ہے۔ اور ان میں خطرناک حد تک سنگین ایک مسئلہ عورتوں کا ہے۔ اس مسئلے کی نسبت یوں تو عورتوں کی طرف کی جاتی ہے لیکن درحقیقت یہ پوری انسانیت کا مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں عورت کی جو ذمّہ داریاں ہیں، ممکن نہیں کہ عورت کے معاملات الجھے ہوئے ہوں اور معاشرہ بحیثیت عمومی اس سے متاثر نہ ہو۔ انسان کی معاشرتی یا اجتماعی زندگی کا چھوٹے سے چھوٹا یونٹ خاندان ہے، جو ایک مرد، ایک عورت اور چند بچوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک ایسے گھر کا تصوّر کیجئے جس میں یک جہتی، ہم آہنگی، باہمی اعتماد اور پیار و محبت کی جگہ اختلاف، کشمکش، بے اعتمادی اور نفرت و بیزاری کی فضا پائی جاتی ہو، ایسا گھر حقیقی مسرّت اور خوشگوار عائلی زندگی کی برکتوں سے کس قدر محروم ہوگا، بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس کی مثالیں یورپ اور امریکہ ہی میں نہیں، مغربی تعلیم اور جدید تہذیب کے طفیل

ہمارے ہاں بھی بکثرت مل سکتی ہیں۔

عصر حاضر کی جن غلط اندیشیوں نے انسانی معاشرت میں کشمکش کی کیفیت پیدا کر کے زندگی کو جہنم زار بنا دیا ہے ان میں سے ایک یہ تصوّر بھی ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے الگ اور ایک دوسرے کے حریف ہیں، ان میں سے ایک ظالم ہے دوسرا مظلوم۔ ایک نے دوسرے کو دبا رکھا ہے۔ ظاہر ہے نوع انسانی کی یہ دو صنفیں جب ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھیں گی تو ان میں مفاہمت اور ہم آہنگی کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ نقطۂ نظر عورت مرد کو رشتہ وحدت منسلک کرنے کی بجائے انہیں ایک دوسرے سے دُور کرتا ہے۔ ان کے درمیان توافق اور تعاون کی بجائے تنازع اور مسابقت کو فروغ دیتا ہے جس کے بعد "حقوق"، "حیثیت" اور مرتبہ تو شائد میسّر آجائیں مگر راحت، سکون اور سُکھ چین نصیب ہونا امر محال ہے معاشرت کا منتہائے مقصود، راحت و سکون مطلوب ہے تو سب سے پہلے ہمیں اس تصوّر کو بدلنا ہوگا۔

وہ معاشرے جن میں مغربی تہذیب کی عملداری ہے واقعی عورتوں کے سنگین مسئلے سے دوچار ہیں اور اس کی ذمّہ دار خود مغربی تہذیب ہے۔ لیکن وہ معاشرے جو اس تہذیب کے اثرات سے محفوظ ہیں ان میں عورتوں کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ رہا مسلمان معاشرہ جس میں اسلامی اصول و اقدار حیات کی کارفرمائی ہو تو اس میں اس قسم کے کسی مسئلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو معاشرت کے جو آداب سکھائے ہیں اگر ان کو عملی زندگی میں ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھا جائے تو اولاً اس قسم کے مسائل پیدا ہی نہیں ہونے پاتے اور اگر پیدا ہو بھی جائیں تو سنگین صورت اختیار کرنے سے پہلے ہی ان کا تدارک ہو جاتا ہے۔ اسلام نے عورت مرد دونوں کے حقوق، فرائض، دائرہ کار اور حدود اس طرح واضح اور متعین کر دیئے ہیں کہ ظلم و زیادتی، مداخلت بیجا یا تجاوز عن الحد کا امکان کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے نزاع اور باہمی آویزش کی صورتیں بھی شاذ و نادر ہی پیدا ہوتی ہیں۔ کوئی گھر یا معاشرہ جس کے افراد اسلامی اصول و قواعد کے پابند ہوں، ہمیشہ اس قسم کے مسائل اور فتنوں سے پاک ہوگا جو عورت، مرد کے باہمی تعلق کی نسبت سے

پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو کیا حقوق عطا کئے ہیں۔ اس پر کس قسم کی ذمہ داریاں عائد کی ہیں اس کا دائرۂ کار و دائرۂ اختیار کیا ہے۔ وہ کن حدود و قیود کی پابند ہے۔ مرد کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے اور مرد کے مقابلے میں اس کا مقام اور مرتبہ کیا ہے۔ سوسائٹی میں اس کو کیا حیثیت دی گئی ہے۔ اسلام کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کر کے کس طرح ایک خوشگوار گھریلو ماحول اور امن و سکون کی دولت سے مالامال پاکیزہ معاشرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے دوسرے چھوٹے بڑے سوالات ہیں جو اس ضمن میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان سوالات کے مدلل جوابات اسلامی تعلیمات میں موجود ہیں۔ لیکن یہ بحث طویل اور تفصیل طلب ہے اس لئے ہم اسے کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ اور سردست بعض بنیادی باتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

تہذیبِ جدید ہی نے یہ مسئلہ پیدا کیا ہے اور وہی اس کے حل کے لئے کوشاں ہے۔ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔ مریض خود اپنا علاج نہیں کر سکتا خواہ وہ ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ مسئلہ عورت مرد دو صنفوں کا ہے۔ اس قضیے میں ان دونوں کی حیثیت فریق کی ہے، اس لئے ان میں سے کسی ایک کا فیصلہ دوسرے کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ عورت مرد کے خلاف اپنا مقدمہ مرد کی عدالت میں لے جائے یا خود عورت کی عدالت میں، دونوں صورتوں میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ منصب قضا پر کسی ایسی ہستی کو متمکن ہونا چاہیئے، جو نہ عورت ہو نہ مرد اور وہ صرف ان دونوں کا خالق ہو سکتا ہے۔

عورتیں مردوں سے حقوق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ حقوق کا تعین کرنے کا مجاز اور اہل ان دونوں میں سے کوئی نہیں۔ ان کا فیصلہ افراط و تفریط سے خالی نہیں ہو سکتا۔ مرد عورتوں کو ان کے مطالبے کے مطابق حقوق پورے کے پورے دے دیں تو بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ حقوق اگر فطری تقاضوں کے مطابق نہیں ہیں تو الٹا فساد پیدا ہو گا جیسا کہ جدید دنیا میں ہو رہا ہے اس لئے عورت مرد دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ خالقِ کائنات اور اپنے پروردگار کے تابع فرمان بن کر ان حدود کے اندر زندگی بسر کریں جو اس نے ان کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ یہ

حدود کیا ہیں، اسلام سے معلوم کیجئے۔ عورت مشرق کی ہو یا مغرب کی، اگر واقعی معنوں میں راحت اور سکون چاہتی ہے، خوشگوار معاشرتی زندگی کی تمنا رکھتی ہے تو وہ صرف اسلامی اصولوں کی پابندی سے حاصل ہو سکتی ہے، جس میں انصاف ہے، اعتدال ہے، عورت کی فطری صلاحیتوں کا پاس و لحاظ ہے۔

'فکر و نظر' میں اشاعت کے لئے مضامین بھیجنے والوں سے گزارش ہے کہ جو مضمون ہمیں بھیجیں اسے کسی اور رسالے کو بھیجنے سے احتراز فرمائیں تاوقتیکہ مضمون واپس نہ کر دیا جائے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے بروقت یہ معلوم کیا جا سکے کہ ہم جو مضمون چھاپ رہے ہیں وہ ساتھ ہی کسی دوسرے رسالے میں نہیں چھپ رہا۔

*****